فوائد الفواد :
تاریخی و سماجی اہمیت

محمد اسلم

صاحب ملفوظات

صاحب ملفوظات کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی بخاری اور لقب نظام الدین (۱۲۳۸-۱۳۲۵ء) تھا - انہیں عام طور پر سلطان المشائخ یا محبوب الٰہی کے القاب سے یاد کیا جاتا ھے - دہلی والے انہیں پیار سے "سلطان جی" کہتے ہیں -

سلطان المشائخ بخاری سید تھے اور ان کا سلسلہ نسب جعفر تواب بن امام علی نقی سے جا ملتا ھے ۔ تاتاری یورش کے زمانے میں ان کے دادا علی بخاری اور ان کے نانا خواجہ عرب بخارا سے لاھور چلے آئے ۔ انہوں نے کچھ عرصہ لاھور میں قیام کیا ۔ وسط ایشیا اور افغانستان پر تسلط جمانے کے بعد جب تاتاریوں کی نظریں پنجاب اور دہلی کی جانب اٹھنے لگیں تو ان بزرگوں نے لاھور اور دہلی کو غیر محفوظ خیال کرتے ہوئے بدایوں کا رخ کیا ۔

بدایوں اس زمانے میں دہلی کے بعد سب سے بڑا علمی و روحانی مرکز مانا جاتا تھا ۔ فوائد الفواد کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ھے کہ وہاں مولانا رضی الدین صغانی (۵۷۷-۶۵۰ ھ) صاحب مشارق الانوار، مولانا سراج الدین ترمذی، مولانا علاء الدین اصولی بدایونی (۸٤۲-۹٤۰ھ)، قاضی جمال الدین بدایونی ملتانی (۱۲٦۲-۱۳۳٦ء)، خواجہ شادی مقری، شیخ عزیز بشیر، قاضی کمال الدین جعفری، مولانا احمد، شیخ احمد (۷٤۹-۸۲۰ھ)، حافظ سراج الدین بدایونی، مسعود نخاسی، خواجہ عزیز کرک، خواجہ ابوبکر موئے تاب (۶۸۲-۷٤۷ھ)، ملک یار اور خواجہ شاہی موئے تاب (۵۰۲-۶۵۸ھ) جیسے بزرگوں نے علمی اور روحانی بساط جما رکھی تھی اور ایک عالم ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہو رہا تھا ۔

اس علمی اور روحانی ماحول میں ۲۹اکتوبر ٦٣١ ھ/١٢٣٦ء ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو سلطان المشائخ نے آنکھیں کھولیں ۔ آپ پانچ سال کے ہوئے تو سایہ پدری سے محروم ہو گئے ۔ ان کی والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی ۔ یہ بڑی تنگ دستی کے دن تھے ۔ گھر میں اکثر فاقے ہوا کرتے تھے ۔ جس دن گھر میں آٹے کی چٹکی تک نہ ہوتی، اس دن بی بی زلیخا اپنے ہونہار فرزند سے کہتیں، "بیٹا! آج ہم اللہ کے مہمان ہیں"۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ والدہ ماجدہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر انہیں روحانی کیف ملتا ۔

سلطان المشائخ نے جب ابتدائی تعلیم مکمل کی تو ان کی والدہ محترمہ انہیں لے کر دہلی چلی گئیں- وسط ایشیاء پر تاتاریوں کی یلغار کے وقت وہاں سے بڑی تعداد میں علماء و فضلاء جانیں بچا کر دہلی چلے آئے تھے اور ان دنوں دہلی رشک بخارا اور غیرت بغداد بنی ہوئی تھی ۔ یہاں انہوں نے مولانا شمس الدین خوارزمی اور مولانا کمال الدین زاہد (٦٥٩-٧٥٦ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا - مولانا شمس الدین خوارزمی وہی بزرگ ہیں جو مستوفیٔ ممالک کے منصب پر فائز ہوئے تھے اور اس موقع پر تاج الدین سنگریزہ نے کہا تھا :

شمسا[۱] کنوں کام دل دوستاں شدی
مستوفیٔ ممالک ہندوستاں شدی

ان سے سلطان المشائخ نے **مقامات حریری** کا درس لیا اور مؤخر الذکر بزرگ سے حدیث پڑھی- جب آپ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے بیعت ہوئے تو ان سے ابو شکور سلمی کی **تمہید** اور **عوارف المعارف** کے پانچ ابواب پڑھے -

دہلی میں سلطان المشائخ کی قیام گاہ سے قریب بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (٦٠٩-٦٦٨ھ) کے برادر اصغر شیخ نجیب الدین متوکلؒ

(۵۵۹-۶۷۱ھ) رہتے تھے -جب سلطان المشائخ نے ان سے بابا صاحب کے کمالات سنے تو ان کے دل میں ان کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا اور انہوں نے فرط عقیدت سے بابا صاحب کے نام کا ورد شروع کر دیا - آخر ایک روز موصوف اجودھن روانہ ہو گئے - جب آپ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا-

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بابا فرید الدین مسعودؒ نے انہیں اسی روز بیعت کرلیا اور بابا صاحب کے داماد اور مرید شیخ بدرالدین اسحاقؒ (۶۰۱-۶۹۰ھ) نے مرشد کے حکم پر ان کے لئے ایک حجرے میں چارپائی کا انتظام کر دیا - وہ بڑی تنگدستی کا دور تھا - بابا صاحب کے مرید ان کے کھانے کے لئے جنگل سے ڈیلے (ٹینٹ) کاٹ کر لاتے اور انہیں ابال کر افطاری کے وقت اپنے مرشد کےسامنے رکھ دیتے- مریدوں کے لئے اجودھن میں زنبیل گھمائی جاتی اور لوگ اس میں بچے کھچے روٹی کے ٹکڑے ڈال دیتے - اس ماحول میں سلطان المشائخ نے اپنے روحانی سفر کا آغاز کیا -

سلطان المشائخ، بابا فرید الدینؒ کی حیات میں تین بار اجودھن تشریف لے گئے اور اپنے مرشد کے وصال کے بعد انہوں نے سات بار اجودھن کا سفر کیا- شوال ۶۶۳ھ/جولائی ۱۲۶۵ء میں بابا صاحب نے سلطان المشائخ کو دہلی جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ۵ محرم ۶۶۴ھ / اکتوبر ۱۲۶۵ء کو انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا-

سلطان المشائخ نے ایک غیبی اشارہ پا کر دہلی کی ایک نواحی بستی غیاث پور میں سکونت اختیار کی- ابتدا میں انہوں نے بھی غیاث پور میں بڑی تنگدستی کا زمانہ دیکھا - جب فتوحات کا دروازہ کھلا تو ان کے لنگر سے صدہا افراد کو کھانا ملنے لگا- ان کے جماعت خانے میں ایک زمانے میں

چار صد درویش موجود تھے - انھوں نے اپنے ہم عصر معاشرے کی جس طرح سے اصلاح کی اس کی ایک جھلک ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں دکھائی گئی ہے -

سلطان المشائخ اپنے ہم عصر سلاطین سے ملنا پسند نہ فرماتے تھے - علاءالدین خلجی کا ولی عہد خضر خان ان کا مرید ہوا لیکن آپ سلطان سے کبھی نہیں ملے - سلطان کو اگر کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو وہ قاصد کے ذریعے دعا کی التماس کرتا- اس کے فرزند قطب الدین مبارک خلجی کے ساتھ سلطان المشائخ کے تعلقات کشیدہ رہے اور سلطان غیاث الدین تغلق نے علماء کے مجبور کرنے پر انہیں محضر میں طلب کیا -

ساٹھ برس تک مسند رشدو ہدایت پر تشریف فرما ہونے کے بعد سلطان المشائخ نے ۳ اپریل ۱۳۲۵ء کو انتقال فرمایا- شاہ ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ (۶۳۵-۶۹۰ھ) نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی - ان کے خلفاء میں سے شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی (م-۵۷۵ھ)، شیخ فخرالدین زرادی (۶۵۱-۷۲۷ھ)، شیخ برہان الدین غریب (۶۵۲- ۷٤۱ھ)، قاضی محی الدین کاشانی (۶۵۸-۷۱۹ھ)، حسام الدین ملتانی (۶۷۱- ۷۵۳ھ) ، قطب الدین منور ہانسوی ، شمس الدین یحیی (۱۲۶۷- ۱۳۲۶ء)، علاءالدین نیلی(٦٢٤- ۷۶۲ھ)، اخی سراج اور وجیہ الدین پائلی (۶۳۸- ۷۲۹ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے مریدوں میں امیر خسرو (۶۲۵- ۷۲۵)، امیر حسن علاء سجزی (۶۶۰- ۷۳۶ھ) اور علی بن محمود جاندار لائق ذکر ہیں -

جامع ملفوظات

جامع ملفوظات کا اصل نام نجم الدین حسن ہے لیکن وہ علمی و دینی حلقوں میں امیر حسن علاء سجزی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں - ان کا ہاشمی النسب ہونا ثابت ہے- ان کے بزرگ عرب سے ہجرت کر کے سجستان

میں آباد ہوئے اور آغاز سلطنت دہلی میں جب وسط ایشیا، خوارزم، سجستان اور افغانستان سے شرفاء کے متعدد گھرانے ہندوستان چلے آئے تو امیر حسن علاء سجزی کے بزرگوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی -یہیں ۱۲۵٤ء میں امیر حسن علاء سجزی پیدا ہوئے -

اس زمانے میں تاتاریوں کے خوف سے سینکڑوں علماء و فضلا وسط ایشیا سے نقل مکانی کر کے دہلی چلے آئے تھے - برنی نے اسی بنا پر اس عہد کو "خیرالاعصار" لکھا ہے-

امیر حسن علاء سجزی کو نظم و نثر پر یکساں قدرت حاصل تھی - ان کا دیوان اور فوائدالفواد اس پر دال ہیں- موصوف کی امیر خسرو کے ساتھ بڑی دوستی تھی اور یوں بھی دونوں خواجہ تاش تھے - غیاث الدین بلبن کا فرزند شہزادہ محمد اہل علم کا بڑا قدردان تھا - جب وہ ملتان کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا - امیر خسرو شہزادہ محمد کے مصحف بردار مقرر ہوئے اور دوات دار کا منصب امیر حسن علاء سجزی کو ملا- شہزادہ محمد منگولوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوا- امیر خسرو منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے - امیر حسن کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ بھی گرفتار ہوئے یا اس آفت سے محفوظ رہے-

شہزادہ محمد جیسے قدردان کی شہادت کے بعد یہ دونوں حضرات دہلی آئے اور یہاں آنے کے بعد انہوں نے شہزادے کے ایسے درد انگیز مرثیے لکھے کہ غیاث الدین بلبن جیسا سخت دل سلطان بھی اثر لئے بغیر نہ رہ سکا-

امیر حسن علاء سجزی فوج سے وابستہ تھے- ایک بار انہوں نے سلطان المشائخ کو بتایا کہ وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ لکھنوتی گئے تھے اور خشکی و تری کے سفر میں ہمیشہ سلطان کے ساتھ رہے- ایک بار وہ آٹھ ماہ کی طویل غیرحاضری کے بعد سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ دیوگیر گئے ہوئے تھے- دہلی میں بھی ان کی رہائش چھاؤنی میں تھی اور وہیں سے موصوف سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے تھے- ان کے دیوان میں سلطان علاء الدین خلجی کی مدح میں قصیدے بھی موجود ہیں، جن سے ان کے سلطان کے ساتھ تعلقات اور اس کے دربار سے وابستگی کا ثبوت ملتا ھے-

شیخ جمالی (۸۶۲-۹۴۲ھ) صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ جوانی کے عالم میں امیر حسن علاء سجزی رند مشرب اور ناؤ و نوش کے رسیا تھے لیکن جب انہوں نے سلطان المشائخ کے دست مبارک پر توبہ کی تو ان کی زندگی میں انقلاب آگیا- اس کے بعد انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا- مسعود علی محوی لکھتے ہیں کہ انہوں نے تجرد اختیار کیا اور شادی نہیں کی-

امیر حسن علاء سجزی کا پندرہ سال تک سلطان المشائخ سے تعلق رہا - اس دوران وہ اپنے مرشد گرامی کے ملفوظات جمع کرتے رہے- سلطان المشائخ اور امیر خسرو کی وفات کے بعد دہلی سے ان کا جی اچاٹ ہوگیا - ادھر حضرت برہان الدین غریبؒ سات سو درویشوں کو ساتھ لے کر دہلی سے دکن روانہ ہوگئے- اب دہلی میں امیر حسن علاء سجزی کے لئے کیا کشش رہ گئی تھی- انھی ایام میں سلطان محمد بن تغلق نے دیوگیر کو دارالحکومت قرار دے کر دہلی کے باشندوں کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دے دیا - لہذا امیر حسن عؔلاء سجزی بھی دیوگیر چلے گئے اور وہیں ۱۳۳۷ء میں ان کا انتقال ہوا- ان کی تصانیف میں سے فوائد الفواد ، دیوان ، مخ المعانی، اور قواعد النحو ہم تک پہنچے ہیں-

فوائدالفواد

فوائدالفواد حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کی پندرہ سالہ تعلیمات کا نچوڑ ہونے کے علاوہ معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ھے جس میں آپ نے شریعت ، طریقت ، عبادات ، احسان ، عدل ، رشدوہدایت ، تاریخی واقعات اور ہم عصر معاشرے کے مسائل پر اظہار خیال فرمایا ھے -

تاریخی مآخذ

ملفوظات میں بعض ایسے اشخاص کا بھی ذکر آیا ہے جن کا ذکر اور کسی کتاب میں نہیں ملتا - اگر فوائدالفواد میں شیخ زندہ دل لاھوری ، علی مولا بدایونی ، شیخ الاسلام اودھ رفیع الدین ، شہاب الدین میرٹھی ، مولانا کیتھلی ، شادی مقری ، خواجگی مقری لاھوری ، ایتمر ، خواجه شادی لکھنوتی، خواجه عزیز کوتوال، جلال قصاب شاعر ، فقیه مادھو، قاسم مقری ، خواجه محمود پٹوہ ، مسعود نخاسی ، تکلش، میر چھجو ، ایتکر، سید عماد ، سعید قریشی ، حافظ سراج الدین بدایونی ، قاضی کمال الدین جعفری ، عزیز بشیر بدایونی ، زیرک ، ملیح اور علی بھاری کا ذکر نه آیا ھوتا تو آج ہم ان کے ناموں سے واقف بھی نه ھوتے -

اسی طرح بعض بزرگوں ، مثلاً بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ (۵۶۰-۶۶۱ھ)، حضرت جلال الدین تبریزیؒ (۵۳۲-۶۲۳ھ) ، شیخ سیف الدین باخزریؒ ، قاضی حمیدالدین ناگوریؒ (۵۱۵-۶۲۵ھ) ، شیخ بدرالدین اسحاقؒ (۶۰۱-۶۷۰) ، شیخ نجیب الدین متوکلؒ(۵۵۰- ۶۷۱ھ)، خواجه قطب الدین بختیار کاکیؒ (۵۰۵-۶۳۳ھ) عثمان حرب آبادیؒ ، نظام الدین ابوالموئدؒ (۶۷۲- ۷۲۵ھ) صوفی حمیدالدین سوالیؒ (۵۷۰- ۶۷۳ھ)* ، شیخ بدرالدین غزنویؒ (۵۴۶- ۶۵۷)، اور خواجه اجل شیرازی کابلیؒ کا کوئی تذکره فوائدالفواد سے استفاده کئے بغیر مکمل نہیں ھو سکتا -

سلطان شمس الدین التمش**

سلطان المشائخ فرماتے ہیں که سلطان شمس الدین التمش نے حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردیؒ اور شیخ اوحد الدین کرمانی کی زیارت

---

* سوالی ناگور میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ۔

** لفظ التمش نہیں ایلتتمش ھے- ترکی زبان میں ایلتتمش کے معنی ہیں حکومت قائم کرنے والا یا عالمگیر - جوینی، تاریخ جہان گشا - جلد دوم ، ص ۶۱ -

کی تھی- ان میں سے ایک بزرگ نے اسے بشارت دی تھی کہ وہ بادشاہ ہوگا[۲]-

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ التمش کا حافظہ بہت تیز تھا اور وہ شاعروں سے ان کا اپنا کلام سننے میں دلچسپی رکھتا تھا - ایک بار مشہور شاعر ناصری اسے اپنا کلام سنا رہا تھا اور سلطان اسی دوران اپنا کام بھی کرتا جاتا تھا - کام میں مصروفیت کے باوجود اسے ناصری کے اشعار یاد رہے[۳] -

سلطان جی فرماتے ہیں کہ رات کو سوتے میں التمش کی جتنی بار آنکھ کھلتی وہ وضو کرتا اور دوگانہ ادا کر کے پھر سو جاتا - اس وقت وہ کسی خادم کو وضو کرانے کیلئے تکلیف نہ دیتا[۴] -

سلطان المشائخ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ بدایوں میں بڑے میٹھے اور عمدہ قسم کے آم ہوتے تھے - جب شمس الدین التمش وہاں گورنر بن کر گیا تو اس کی خدمت میں آم پیش کئے گئے - اس نے انب (آم) کھانے کے بعد اس پھل کا نام پوچھا تو حاضرین نے کہا کہ اسے آم کہتے ہیں - ترکی زبان میں آم اچھا لفظ نہیں ھے جو خواتین کی موجودگی میں نہیں بولا جا سکتا- اس لئے التمش نے کہا کہ آئندہ اسے نغزک کہا کریں[۵] -

سلطان المشائخ کا بچپن بدایوں میں گزرا تھا اس لئے وہ اس شہر سے خوب واقف تھے - ایک روز انہوں نے امیر حسن علاء سجزی کو بتایا کہ شمس الدین التمش نے ، جن دنوں وہ بحیثیت گورنر بدایوں میں مقیم تھا ، ایک میدان بنا رکھا تھا جہاں وہ چوگان کھیلا کرتے تھے[۶] -

فوائدالفواد میں کئی موقعوں پر حوض شمسی کا ذکر آیا ھے- اس کے کنارے اہل اللہ کی نشست رہا کرتی تھی اور اب بھی بہت سے بزرگ مثلاً شیخ سماءالدین سہروردی ، شیخ نجیب الدین فردوسی (۶۹۸-۷۶۱ھ)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ھ)، شیخ نجیب الدین فردوسی اور داؤد

پالھی (۵۹۱-۶۷۹ھ) حوض شمسی سے قریب دفن ہیں - خواجہ قطب الدین بختیار کاکی(۵۵۰-۶۳۳ھ)، قاضی حمیدالدین ناگوری (۵۱۵-۶۲۵ھ)، شیخ جمالی (۸۴۵-۹۴۲ھ) اور مولانا فخرالدین نظامی بھی اسی نواح میں محو خواب ابدی ہیں - سلطان جی فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ نے سلطان شمس الدین التمش کو خواب میں دیکھا تو سلطان نے اسے بتایا کہ حوض بنوانے کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو گئی ہے[۷]- یہ واقعہ درر نظامی میں بھی آیا ہے-

ایک روز سلطان المشائخ نے حاضرین کو بتایا کہ سلطان شمس الدین التمش اپنے ایک پہلو میں سید نور الدین مبارک (۶۷۲-۸۵۱ھ) کو اور دوسرے پہلو میں قاضی فخرالائمہ کو بٹھایا کرتا تھا - جب شیخ قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو سلطان نے انہیں اپنے محل میں بلایا - جب موصوف وہاں پہنچے تو ان بزرگوں نے ان سے پوچھا کہ وہاں کہاں تشریف رکھیں گے- انہوں نے کہا "علوم کے سایہ تلے"- جب وہ قریب پہنچے تو سلطان نے اٹھ کر ان کا ھاتھ پکڑا اور محل خاص میں لے جا کر اپنے پاس بٹھایا[۸] -

ایک مجلس میں سلطان جی نے سلطان شمس الدین التمش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں اس کی تاریخ وفات یاد آ گئی ہے - پھر آپ نے یہ شعر پڑھا -

بسال ششصد وسی وسہ از ہجرت
نماند شاہ جہاں شمس الدین عالمگیر[۹]

سلطانہ رضیہ

سلطان شمس الدین التمش کے بیس بیٹے تھے لیکن سب کے سب نکمے اور نالائق تھے- وہ اپنے مصاحبوں سے کہا کرتا کہ اس کی بیٹی رضیہ میں کاروبار حکومت چلانے کی پوری صلاحیت موجود ہے- اسی طرح بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے پانچ بیٹے تھے[۱۰] اور ان کی موجودگی میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں عورت کو خلافت دینی اور سجادے پر

بٹھانا روا ہوتا تو آپ اپنی بیٹی بی بی شریفہ کو خلافت نامہ دے کر اپنا جانشین مقرر کرتے [۱۱]- یہ عجیب اتفاق ہے کہ سلطان اور شیخ وقت ایک ہی ذہن سے سوچتے تھے- جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عورت کی حکمرانی قابل اعتراض تھی-

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اندر پت میں ایک عورت رہتی تھی جو بی بی فاطمہ سام کے نام سے موسوم تھی- وہ صاحبہ کشف و کرامت تھی - اس نے بڑی طویل عمر پائی- حضرت نجیب الدین متوکلؒ نے اسے بہن بنایا ہوا تھا- جب کبھی موصوف کے ہاں فاقہ ہوتا تو بی بی فاطمہ سام کو کشف کے ذریعے اس کا علم ہو جاتا اور وہ ایک بڑی وزنی روٹی پکا کر ان کے گھر بھجوا دیتی- حضرت نظام الدین اولیاء نے بھی اس ولیہ کی زیارت کی تھی[۱۲]- سلطان جی فرماتے ہیں کہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ بی بی فاطمہ سام کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ مرد ہے جسے عورت کی شکل میں پیدا کیا گیا ہے[۱۳]- سلطان جی نے اسی مجلس میں حاضرین کو بتایا کہ درویش جب دعا کرتے ہیں تو پہلے خدا کو نیک عورتوں کا واسطہ دیتے ہیں اور پھر نیک مردوں کا ، کیونکہ نیک عورتیں بہت کم ہوتی ہیں- اسی ضمن میں آنجناب نے فرمایا کہ جب جنگل سے کوئی شیر نکلتا ہے تو اس کی بابت یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ نر ہے یا مادہ - حضرت فرماتے ہیں کہ مرد ہو یا عورت ، اطاعت اور تقوی میں معروف (ثابت قدم) ہونا چاہئیے [۱۴]-

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان المشائخ نے ایک مجلس میں حاضرین کو بتایا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عقیدہ بہت اچھا تھا - وہ نماز پنجگانہ اور نمازجمعہ وقت پر ادا کیا کرتا تھا - ایک بار اس نے قاضیء لشکر سے پوچھا کہ رات کیسی گزری ہے- قاضی نے عرض کیا کہ یہ بات سلطان پر بھی روشن ہے- جامع ملفوظات امیر حسن علاء سجزی نے سلطان المشائخ سے اس کی وضاحت چاہی تو انہوں

نے فرمایا کہ وہ شب قدر تھی[۱۵]۔

سلطان غیاث الدین بلبن تخت نشینی سے پہلے الغ خان کے لقب سے ملقب تھا- ایک بار وہ سلطان ناصر الدین محمود کے ساتھ ملتان جاتے ہوئے اجودھن سے گزرا تو بابا فریدالدین مسعودؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا[۱۶]۔

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (۶۰۹-۶۶۸ھ)

سیرالاولیاء کے بعد فوائدالفواد ، بابا فرید کے حالات پر سب سے اہم مآخذ ہے اور اس سے استفادہ کئے بغیر ان کی سوانح حیات نامکمل رہے گی- خود سلطان المشائخ نے بھی ان کے ملفوظات جمع کرنا شروع کئے تھے- ایک مجلس میں انہوں نے امیر حسن علاء سجزی کو بتایا کہ جب انہوں نے بابا صاحب کے ملفوظات جمع کرنے شروع کئے تو انہوں نے اس کی اطلاع بابا صاحب کو کردی - اس کے بعد جب بابا صاحب کسی مجلس میں گفتگو فرماتے تو حاضرین کو دیکھ کر استفسار فرماتے کہ نظام الدین موجود ہیں- اگر کبھی ان کی عدم موجودگی میں گفتگو فرماتے تو ان کی آمد کے بعد ان کی خاطر گفتگو دہرا دیتے- سلطان جی نے امیر حسن کو بتایا کہ وہ مجموعہ اب تک ان کے پاس محفوظ ہے[۱۷]۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان ناصرالدین محمود ملتان جاتے ہوئے اجودھن سے گزرا تو اس کی طرف سے الغ خان چار گاؤں کی ملکیت کا قبالہ اور کچھ نقدی لے کر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا - انہوں نے قبالہ تو واپس کر دیا لیکن نقدی یہ کہہ کر قبول کر لی کہ درویشوں کے کام آئے گی[۱۸]۔

ایک روز بابا صاحب کو سماع کی خواہش پیدا ہوئی - اس وقت کوئی قوال موجود نہ تھا - انہوں نے شیخ بدرالدین اسحاق سے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوری نے جو خط بھیجا ہے ، وہ لے آئیں- شیخ موصوف ایک

خریطہ اٹھا لائے جس میں خطوط رکھے ہوئے تھے - جب شیخ صاحب نے خریطے میں ہاتھ ڈالا تو اتفاق سے مطلوبہ خط ہی ہاتھ لگا- بابا صاحب نے فرمایا کہ وہ کھڑے ہوکر خط پڑھیں- ابھی انہوں نے اتنا ہی پڑھا تھا: "فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطاء کہ بندہ درویشاں است و از سر و دیدہ خاک قدم ایشاں" تو بابا صاحب پر حالت طاری ہو گئی[۱۹]-

حضرت نظام الدین اولیاء نے بابا صاحب سے عوارف المعارف کے پانچ باب سبقاً سبقاً پڑھے تھے- بابا صاحب کو اس کتاب سے بڑی انسیت تھی- ایک بار اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ان کے ہاں فرزند پیدا ہوا تو بابا صاحب نے نومولود کا نام صاحب عوارف المعارف کے نام پر شہاب الدین رکھا[۲۰]-

بابا فرید الدین مسعود کے ایک خلیفہ تھے جن کا نام شیخ عارف(۶۳۱-۶۹۱ھ) تھا- بابا صاحب سے بیعت ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ملتان و اوچہ کے والی نے انہیں سو تنکے دے کر کہا کہ وہ انہیں بابا صاحب کی خدمت میں پہنچا دیں- شیخ عارف نے پچاس تنکے خود رکھ لئے اور پچاس بابا صاحب کی خدمت میں پیش کردئیے- بابا صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تنکے لانے والے نے برادرانہ تقسیم کی ہے- شیخ عارف نے شرمندہ ہوکر بقیہ پچاس تنکے بابا صاحب کی خدمت میں پیش کردیئے اور اپنے کئے پر معافی طلب کی- بابا صاحب کی یہ کرامت دیکھ کر شیخ عارف ان کے مرید ہوگئے اور کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر خرقہ خلافت لے کر سیھون (سیوستان) چلے گئے[۲۱]- بابا صاحب کے خلفاء کی فہرست میں شیخ عارف کا نام نہیں ملتا- اس کا واحد ماخذ فوائد الفواد ہے-

حضرت نظام الدین اولیاء

امیر حسن علاء سجزی لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک باغ اور قابل کاشت اراضی کی ملکیت کی دستاویزات حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجیں- حضرت نے قبول نہ کیں اور یہ کہلا بھیجا کہ وہ اس باغ اور اراضی

کے لائق نہیں ہیں- بعدازاں انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگروہ باغ اور اراضی قبول کر لیتے تو لوگ کہتے کہ شیخ اپنے باغ کی طرف جارہے ہیں یا اپنی زمین دیکھنے جا رہے ہیں- کیا یہ ان کے کرنے کے کام ہیں؟- آپ نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے مشائخ میں سے کسی نے ایسی چیزیں قبول نہیں کیں[۲۲]- یہ بات بڑی قابل تعجب ہے کہ سلطان جی حنفی ہونے کے باوجود غائبانہ نماز جنازہ کے قائل تھے- موصوف فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین تبریزی، بدایوں میں قیام کے زمانے میں ایک دن سوتھ ندی کے کنارے تشریف فرما تھے- انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دہلی میں شیخ الاسلام فوت ہوگیا ہے ، آئیے اس کی نماز جنازہ پڑھیں[۲۳]- اس سے یہ مترشح ہوتاہے کہ حضرت تبریزی بھی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل تھے اور اس زمانے میں اس معاملے میں احناف میں اتنا غلو نہ تھا جتنا آج ہے-

شہاب الدین عمر سہروردی

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت نجم الدین کبری یہ کہا کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ جو نعمت ہوسکتی ہےوہ اللہ تعالی نے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کو عطا فرمائی ہے مگر ذوق سماع عطا نہیں فرمایا[۲۴]-

حضرت بہاء الدین زکریا

سلطان جی فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے سترہ دنوں میں اپنے مرشد سے جو نعمتیں حاصل کی تھیں، وہ دوسروں کو سالوں میں بھی نصیب نہ ہوئیں- جب انہیں خلافت ملی تو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے پرانے خادم برگشتہ ہوگئے کہ انھوں نے سالہا سال محنت کی اور کچھ نہ ملا اور شیخ زکریا چند روز میں شیخیت لے گیا- یہ بات شدہ شدہ حضرت سہروردی تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ دوسرے گیلی لکڑیاں لائے ہیں، ان میں کس طرح آگ لگ سکتی ہے؟ زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا جس میں ایک ہی پھونک سے آگ لگ گئی[۲۵]-

سلطان جی نے ایک مجلس میں فرمایا کہ شیخ بہاء الدین زکریا کی کنیزیں اور پسنہاریاں بھی ذاکرہ اور شاغلہ تھیں[۲۶]- ان کے ایک مرید تھے جن کا نام حسن افغان (۶۰۸-۶۸۹ھ) تھا- وہ بڑے بلند روحانی مرتبے پر فائز تھے- حضرت زکریا فرمایا کرتے تھے "اگر خدا نے قیامت کے دن مجھ سے پوچھا کہ میرے لئے کیا لائے ہو تو میں کہوں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں"[۲۷]-

سلطان جی فرماتے ہیں کہ حسن افغان کو کشف قلوب عطاء ہوا تھا- ایک روز انھوں نے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی- جب نماز ہوچکی اور نمازی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو انھوں نے امام سے کہا کہ نماز میں اس کا دھیان بٹا ہوا تھا- اس نے ملتان سے دہلی جاکر غلام خریدے اور انھیں خراسان لے جاکر فروخت کیا- وہ اس پورے سفر میں اس کے پیچھے مارے مارے پھرتے رہے ہیں- کیا نماز اسی کا نام ہے؟[۲۸]- یہ واقعہ علی بن محمود جاندار نے درر نظامی میں بھی نقل کیا ہے-

سلطان جی نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ناصر الدین قباچہ کے دور حکومت میں ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا، شیخ جلال الدین تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی موجود تھے- انھی ایام میں منگولوں نے ملتان کا محاصرہ کرلیا- ایک رات حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے ایک تیر قباچہ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے یونھی منگولوں کے لشکر کی جانب چلا دے- اس نے ایسا ہی کیا- اگلے روز جب سورج طلوع ہوا تو ملتانیوں نے دیکھا کہ منگول محاصرہ اٹھا کر جاچکے ہیں[۲۹]-

ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ اور دہلی کے سلطان شمس الدین التمش میں رقابت چل رہی تھی- قباچہ کے اطوار و اخلاق بھی اچھے نہ تھے- نیز وہ خود مختاری کا اعلان کرکے دہلی کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کو کمزور کررہا تھا- اس لئے حضرت بہاء الدین زکریا اور ملتان کے قاضی مولانا

شرف الدین نے سلطان شمس الدین التمش کو خط لکھ کر ملتان پر قبضہ کرنے کی دعوت دی- اتفاق سے یہ خط قباچہ کے ہاتھ لگ گیا- اس نے ان دونوں بزرگوں کو اپنے حضور طلب کیا اور ان سے اس خط کے بارے میں استفسار کیا- انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ خط انہی نے لکھا تھا- قباچہ نے قاضی کو تو فوراً قتل کرادیا لیکن وہ حضرت زکریا کا بال بھی بیکا نہ کرسکا- اس واقعہ کے بعد جلد ہی شمس الدین التمش نے ملتان پر یلغار کردی اور قباچہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے سندھ کی جانب فرار ہوگیا- التمش نے اس کا تعاقب کیا اور قباچہ روہڑی سے فرار ہوتے وقت دریا میں ڈوب گیا- ملتان، اوچھ اور سندھ پر التمش کا قبضہ ہوگیا[٣٠]- اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا مضبوط مرکز کے حامی اور طوائف الملوکی کے مخالف تھے-

قاضی منہاج سراج جزجانی

قاضی منہاج سراج جزجانی (٦٤٣-٧١٢ھ) صاحب طبقات ناصری بڑے بلند پایہ واعظ تھے- سلطان جی ہفتے کے روز ان کا وعظ سننے جایا کرتے تھے- انہوں نے امیر حسن علاء سجزی کو بتایا کہ ان کے وعظ و نصیحت سے بڑی لذت حاصل ہوا کرتی تھی- حضرت والا نے بھری بزم میں اس کا اعتراف کیا کہ ایک بار موصوف قاضی صاحب کا وعظ سن کر بیہوش ہو گئے تھے- سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی بزرگ نے قاضی صاحب سے کہا کہ وہ قضاء کے لائق نہیں، انہیں تو شیخ الاسلام ہونا چاہئیے تھا[٣١]-

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ دہلی میں سماع کا رواج نہ تھا- قاضی منہاج سراج صاحب سماع تھے اس لئے جب وہ منصب قضاء پر فائز ہوئے تو سماع کو بڑا فروغ ملا[٣٢]-

مولانا نور ترک (٦١٩-٦٩٢ھ)

ایک مجلس میں امیر حسن علاء سجزی نے عرض کیا کہ علماء نور ترک کے عقائد پر بڑی لے دے کرتے ہیں، حقیقت حال کیا ہے؟ سلطان جی نے

فرمایا که آسمان سے جو پانی برستا ہے وہ اس سے زیادہ پاکیزہ تھا- امیر حسن نے عرض کیا که طبقات ناصری (ص ۱-۱۹۰) میں یه لکھا ہے که وہ علماء کو ناصبی اور مرجیٔ کہتا تھا اور اسے دہلی کے علماء سے بڑی کد تھی- اس کی وجه یه تھی که وہ انہیں دنیا میں آلودہ دیکھتا تھا، اس واسطے علماء نے بھی اس کی طرف بہت سی باتیں منسوب کردیں (اسے ملحد اور قرامطی بھی کہا)- سلطان جی نے فرمایا که نور ترک بڑے تنگ دست رہتے تھے لیکن وہ کسی کے آگے ہاتھ نه پھیلاتے- ان کا ایک غلام تھا جو دھنیئے کا کام کرتا تھا- وہ روزانه ایک درہم لا کر انہیں دیتا اور یہی ان کا ذریعه معاش تھا- ایک مرتبه سلطانه رضیه نے کچھ سونا ان کی خدمت میں بھیجا- نور ترک ایک لاٹھی اٹھا کر سونے کو پیٹنے لگے اور شاہی قاصد سے کہنے لگے که اسے واپس لے جائیے[۳۳]-

آخری ایام حیات میں نور ترک نے مکه مکرمه میں سکونت اختیار کر لی تھی- وہاں وہ صحرا سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں بیچ کر اپنی گزر بسر کرتے- وہاں دہلی کے ایک حاجی نے انہیں پہچان لیا اور ان کی خدمت میں دوسیر چاول پیش کئے جو انہوں نے قبول کرلئے- وہ حاجی بڑا حیران ہوا که یه وہی شخص ہے جس نے سونا رد کردیا تھا اور اب دو سیر چاول قبول کر لئے ہیں- اس کے دل میں یه خیال آیا تو نور ترک نے کہا که مکے کو دہلی پر قیاس نه کریں- یہاں کا دانه دنکا بھیٔ انہیں عزیز ہے- دہلی کی اور ہی بات تھی- ان دنوں وہ جوان تھے ، اب ان کے جسم میں ویسی قوت نہیں رہی[۳۴]-

پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں که علماء سو نے نور ترک کو عوام کی نظروں سے گرانے کے لئے ملحد اور قرامطی مشہور کردیا تھا- نظامی صاحب کی یه بات بڑا وزن رکھتی ہے که انہوں نے آخری عمر میں مکه مکرمه میں سکونت اختیار کرلی تھی- اگر وہ ملحد ہوتے تو وہاں نه جاتے- مکے میں ملحد یا قرامطی کا کیا کام ہے؟ [۳۵]

نور ترک کچھ عرصہ ہانسی میں بھی رہے تھے- وہاں وہ وعظ کیا کرتے تھے- بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے کئی بار ان کا وعظ سنا تھا- ایک بار بابا صاحب پھٹے پرانے کپڑے پہن کر ان کا وعظ سننے گئے- جونہی ان کی نظر بابا صاحب پر پڑی تو وہ کہنے لگے "مسلمانو! ان سخن کا صراف آگیا ہے"- بعد ازاں ان کی اتنی تعریف کی کہ کوئی بادشاہ کی بھی اتنی مدح نہیں کرتا[۳۶]-

شیخ سیف الدین باخرزیؒ

فوائد الفواد، شیخ باخرزی کے بارے میں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے- ایسا لگتا ہے کہ وہ چشتی حلقوں میں بڑے مقبول تھے- سلطان جی نے ایک مجلس میں فرمایا کہ انہیں سارے علوم یاد تھے- وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے- ایک بار ان کے مریدوں نے ان سے کہا کہ وہ دوسرے مشائخ کی طرح زیادہ شعر کیوں نہیں کہتے- انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ان کا ایک شعر ایک کتاب کے برابر ہے[۳۷]- شیخ سیف الدین باخرزی کا ذکر کرتے ہوئے سلطان جی نے فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر اور شیخ اوحد الدین کرمانی نے بہت عمدہ نظمیں کہی ہیں[۳۸]-

عثمان حرب آبادی

شیخ عثمان حرب آبادی غزنی میں رہتے تھے- وہ بڑے بزرگ انسان تھے اور انہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر بھی لکھی تھی- وہ سبزی پکا کر فروخت کیا کرتے تھے اور اسی سے اپنی گذر بسر کرتے تھے- سلطان جی فرماتے ہیں کہ گاہک انہیں کھوٹے سکے دے جایا کرتے تھے اور وہ ان کے عوض سالن دے دیتے- موصوف لوگوں پر یہ ظاہر کرتے کہ وہ کھوٹے کھرے میں تمیز نہیں کرسکتے- جب ان کا وقت آخر آیا تو وہ خدا کو مخاطب کرکے کہنے لگے "اے اللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے سکے دے جاتے تھے اور میں انہیں قبول کرلیتا تھا- میں نے کبھی کھوٹا سکہ رد نہیں کیا- اگر مجھ سے

کوئی کھوٹی طاعت ہوئی ہے تو اپنے فضل و کرم سے اسے رد نہ کرنا[۳۹]-

جار اللہ زمخشری

سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت بہاء الدین زکریا نے شیخ صدرالدین قونیوی کو رویا میں یہ منظر دکھایا کہ فرشتے جاراللہ زمخشری صاحب الکشاف کو زنجیروں میں جکڑ کر دوزخ کی طرف لے جارہے ہیں- جار اللہ زمخشری کا فرقہ معتزلہ سے تعلق تھا اس لئے مولانا نجم الدین سنامی اس کی تصانیف جلانے کا مشورہ دیا کرتے تھے[۴۰]-

تاج الدین سنگریزہ

تاج الدین سنگریزہ قیام سلطنت دہلی کے ابتدائی زمانے میں بڑے نامور شاعر ہو گزرے ہیں- جب سلطان جی کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی مستوفیٔ ممالک کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے تو سنگریزہ نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا، جس کا مطلع تھا[۴۱]-

صدرا کنوں بکام دل دوستاں شدی
مستوفیٔ ممالک ہندوستاں شدی

شیخ جلال الدین تبریزی (۵۳۲-۶۲۳ھ)

موصوف حضرت ابو سعید تبریزی کے مرید باصفا تھے لیکن منگولوں کے حملے میں ان کی شہادت کے بعد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے حلقہ مریدین میں شامل ہوگئے- انھوں نے اپنے مرشد کی جتنی خدمت کی ہے اس کا عشر عشیر بھی دوسروں کے حصے میں نہیں آیا- حضرت تبریزی اپنے برادر طریقت شیخ بہاء الدین زکریا کی معیت میں بغداد سے ملتان روانہ ہوئے لیکن نیشا پور پہنچ کر دونوں بزرگوں میں شکر رنجی ہوگئی اور یہیں سے ان کے راستے علیحدہ ہوگئے-

سلطان شمس الدین التمش بغداد میں قیام کے زمانے میں ان کی زیارت سے مشرف ہوچکا تھا اور وہ ان کے مقام و عظمت سے کماحقہ واقف تھا- جب

حضرت تبریزی دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے اپنے عمائدین کے ساتھ ان کا استقبال کیا- دہلی میں قیام کے دوران میں موصوف مرجع خلائق ہوگئے تو شیخ الاسلام نجم الدین صغری ان سے حسد کرنے لگا[42]- اس نے ان کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تیار کی اور ایک فاحشہ عورت کو کچھ رقم دے کر ان پر تہمت لگانے کے لئے تیار کرلیا- اس بدبخت نے سلطان کے پاس جاکر شیخ پر زنا کی تہمت لگائی[43]- یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا- سلطان شمس الدین التمش نے اس مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے صدہا علماء و مشائخ کو ایک مقررہ دن جامع مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا- نجم الدین صغری جانتا تھا کہ حضرت تبریزی اور شیخ بہاء الدین زکریا میں رنجش چل رہی ہے- اس لئے اس نے سلطان سے کہہ کر انہیں ہی اس مجلس کا صدر مقرر کرایا- جب حضرت جلال الدین تبریزی مسجد میں داخل ہوئے تو شیخ بہاء الدین زکریا نے آگے بڑھ کر ان کے جوتے اٹھا لئے- ان کا یہ احترام دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ بات یہیں ختم ہوجانی چاہیے- اس پر حضرت زکریا نے فرمایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہوگا اس لئے مدعیہ کو حاضر کیا جائے- مدعیہ کو شیخ بہاءالدین زکریا کے حضور پیش کیا گیا تو وہ ان کا جاہ و جلال دیکھ کر کانپنے لگی- اس نے بھری محفل میں اس بات کا اعتراف کیا کہ شیخ الاسلام نجم الدین صغری نے اسے کچھ رقم دے کر شیخ جلال الدین تبریزی پر تہمت لگانے کے لئے تیار کیا تھا- اس میں سے نصف رقم اسے مل چکی ہے اور بقیہ نصف رقم ایک بقال کے پاس بطور امانت رکھی ہوئی ہے جو سازش کی تکمیل پر اسے ملنی ہے- سلطان شمس الدین التمش نے اسی وقت نجم الدین صغری کو اس کے منصب سے معزول کرکے شیخ بہاءالدین زکریا کو شیخ الاسلام بنایا[44]-

اس تہمت سے بری ہونے کے بعد حضرت جلال الدین تبریزی نے دہلی میں رہنا پسند نہ کیا اور آپ بدایوں تشریف لے گئے- سلطان جی فرماتے ہیں کہ دہلی سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے فرمایا کہ جب وہ اس شہر میں آئے تھے

تو زر خالص تھے ، اب چاندی بن کر یہاں سے جارہے ہیں[۴۵]- یہی بات اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث نے بھی نقل کی ہے[۴۶]-

شیخ حسین زنجانی

فوائد الفواد میں امیر حسن علاء سجزی لکھتے ہیں کہ ایک مجلس میں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سید علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانی ایک ہی پیر کے مرید تھے- حضرت زنجانی لاہور میں رہتے تھے- ایک روز حضرت ہجویری کے مرشد نے انہیں حکم دیا کہ وہ لاہور میں سکونت اختیار کریں- انہوں نے عرض کیا کہ وہاں حسین زنجانی موجود ہیں- مرشد نے فرمایا کہ وہ لاہور جائیں- جب سید علی ہجویری لاہور پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی اور شہر کے دروازے بند ہوچکے تھے- اس لئے انہوں نے رات شہر سے باہر گزاری- اگلے روز جب شہر کا دروازہ کھلا تو لوگ ایک جنازہ لے کر باہر نکلے- انہوں نے متوفی کے بارے میں استفسار کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ جنازہ حسین زنجانی کا ہے[۴۷]-

راقم نے اس روایت پر بڑی تحقیق کی ہے اور یہ روایت تاریخ کے معیار پر پوری نہیں اترتی- میرے ناقص خیال میں یہ الحاقی روایت ہے- پروفیسر نثار احمد فاروقی، صدر شعبہ عربی، دہلی یونیورسٹی اپنی تصنیف نقد ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ ملفوظات کے نسخوں میں بعد کو درگاہی لوگوں اور پیرزادوں نے اپنے مقاصد کے تحت کچھ تحریفیں بھی کرکھی ہیں[۴۸]-

لاہور میں سرکلر روڈ اور موہنی روڈ کے درمیان پیر عزیز الدین مکی کا مزار ہے- اس کا فاصلہ حضرت سید علی ہجویری کی درگاہ سے دو فرلانگ ہوگا- زائرین کا ہجوم حضرت ہجویری کی درگاہ میں رہنے لگا جس سے مجاورین کو لاکھوں روپے سالانہ کی آمدن ہونے لگی- حضرت علی ہجویری کی موجودگی میں پیر مکی کے مزار پر کون جاتا- جب وہاں کے مجاورین بھوکوں مرنے لگے تو انہوں نے مشہور کردیا کہ پیر مکی، حضرت ہجویری کے

استاد تھے اور مؤخر الذکر بزرگ نے یہ کہا تھا کہ پہلے میرے استاد کے مزار پر حاضری دیں، پھر ان کے مزار پر آئیں- حضرت علی ھجویری کا وصال ۱۰۷۲ء کے لگ بھگ ہوا اور پیر مکی ان کی وفات کے ۱۰۹ سال بعد لاہور تشریف لائے- شیخ محمد اکرام نے پیر مکی کا سال وفات ۱۲۱۵ء تحریر کیا ہے[۴۹]- اسی سے ان کے استاد اور شاگرد ہونے کی قلعی کھل جاتی ہے-

شیخ جمالی نے سیرالعارفین میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اور شیخ حسین زنجانی کو ہمعصر بتایا ہے[۵۰]- شاہجہان نامہ کے مصنف محمد صالح کنبوہ نے بھی لاہور میں حضرت اجمیری اور شیخ زنجانی کی ملاقات کا ذکر کیا ہے[۵۱]- داراشکوہ نے بھی سفینۃ الاولیاء میں انہیں ہمعصر بتایا ہے[۵۲]- حضرت ھجویری کا سال وفات ۱۰۷۲ء بتایا جاتا ہے اور حضرت حسین زنجانی ۱۲۰٤ء میں فوت ہوئے تھے[۵۳]- ان حالات میں سید علی ھجویری ان کے جنازے میں کیسے شریک ہوگئے- حضرت علی ھجویری نے کشف المحجوب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ملک شام میں بانیا ندی کے کنارے موضع بیت الجن میں جب ان کے مرشد کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کا سر ان کے زانو پر تھا[۵٤]- اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مرشد نے انہیں اپنی زندگی میں لاہور نہیں بھیجا- اس لئے فوائد الفواد کی یہ روایت الحاقی معلوم ہوتی ہے-

ایک تاریخی غلطی

ایک مجلس میں سلطان جی نے عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھوں حضرت علی کی شہادت کا ذکر فرمایا- جامع ملفوظات نے ان سے پوچھا "کیا عبدالرحمن مسلمان تھا؟" حضرت نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ مسلمان تھا لیکن امیر معاویہ کا طرفدار ہوگیا تھا[۵۵]- یہ روایت بھی حضرت معاویہ کے کسی مخالف گدی نشین نے فوائدالفواد میں شامل کردی ہے- کون نہیں جانتا کہ عبدالرحمن خارجی تھا اور اس کے عقیدے کے مطابق

حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ (نعوذ باللہ) دونوں کافر تھے- پھر وہ امیر معاویہ کا کیونکر طرفدار ہوسکتا تھا؟

جعلی کتابیں

اس زمانے میں بزرگوں کے نام سے جعلی کتابیں وجود میں آنے لگی تھیں- ایک مجلس میں حاضرین میں سے کسی نے کہا:

"مردی مرا در اودھ کتابی نمود و گفت کہ این نبشتہ خدمت مخدوم است- خواجہ (ذکراللہ بالخیر) فرمود کہ تفاوت گفتہ است- من ہیچ کتابی نہ نبشتہ ام" ۵۶

ترجمہ: ایک شخص نے اودھ میں (مجھے) ایک کتاب دکھا کر کہا کہ یہ جناب والا کی تصنیف ہے- خواجہ (نظام الدین اولیاء) نے فرمایا کہ اس نے غلط کہا ہے- میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی-

یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ سلطان جی کی طرف سے اتنی عمدہ وضاحت کے باوجود ہمارے فاضل بزرگ علامہ اخلاق حسین دہلوی فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں چونکہ سلطان جی کا نام نامی نہیں آیا، صرف "خواجہ" لکھا ہے اس لئے اس عبارت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ سلطان جی نے کوئی کتاب نہیں لکھی[۵۷]-

قرون وسطی میں بزرگوں کے نام سے کتابیں لکھنے کی وبا عام تھی- شیخ عبدالحق محدث رقمطراز ہیں کہ ان کے زمانے تک حضرت بو علی قلندر کے نام سے کئی مثنویاں وجود میں آگئی ہیں[۵۸]-

امن و امان کی صورت حال

سلطان جی کے زمانے میں راستے محفوظ نہ تھے- عام طور پر ہندو ڈاکو مسافروں کو لوٹ لیتے تھے- **فوائد الفواد** کے ایک اندراج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اجمیر کی حدود میں سرشام ڈاکے پڑنے لگتے تھے[۵۹]- ایک اور موقع پر سلطان جی فرماتے ہیں کہ موصوف اجودھن سے دہلی آرہے تھے- سرستی کی حدود میں ایک روز قبل ہندو ڈاکوؤں نے مسلمانوں کے قافلہ پر حملہ کر کے

بہت سے مسافروں کو قتل کردیا- اگلے روز جب سلطان جی کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے کشتوں میں مولانا کیتھلی کی نعش شناخت کرلی اور فاتحہ پڑھ کر آگے روانہ ہوگئے[٦٠]- ایک مجلس میں آنجناب نے حاضرین کو بتایا کہ محمد نیشا پوری نامی ایک نقیب گجرات جارہا تھا- اس علاقے میں ہندوؤں کا غلبہ تھا- اثنائے سفر ایک ہندو نے تلوار لے کر اس پر حملہ کردیا[٦١]-

ایک بار سلطان جی اجودھن سے دہلی جارہے تھے کہ راستے میں ہندو ڈاکوؤں نے انہیں گھیر لیا- ان کے پاس ایک گودڑی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اس لئے جان بچ گئی[٦٢]- ایک مجلس میں انھوں نے ایک ہندو چور کا ذکر فرمایا جو رات کے وقت بابا فرید الدین مسعود کی والدہ ماجدہ کے گھر چوری کی نیت سے داخل ہوا تھا[٦٣]- بدایوں کے علاقے میں کٹھر ایک قدیم قصبہ ھے- وہاں بکثرت ہندو چور موجود تھے[٦٤]- دہلی کے گرد و نواح میں میواتیوں کا زور تھا- سلطان جی فرماتے ہیں کہ وہ شہر کے دروازہ کمال تک آجاتے تھے اور لوگ ان کے خوف سے اس طرف نہیں جاتے تھے- نماز مغرب سے قبل ہی شہر کے دروازے بند ہوجاتے تھے اور اگر کوئی شخص اس وقت باہر چلتا پھرتا نظر آئے تو دربان شور مچانے لگتے تھے کہ جلد اندر آجا[٦٥]-

جوامع الکلم حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ ھے- اس میں بھی یہ عبارت موجود ھے-

"دران ایام میواں می آیند، میزدند، میبردند نماز دگر بالائی حوض سلطان کسی نمی باشد- ہمہ درون شہر می آیند" [٦٦]-

ترجمہ: اس زمانے میں میواتی آتے، مار پیٹ کرکے (مال) لے جاتے- نماز عصر کے بعد حوض سلطان پر کوئی شخص نہ رہتا- سبھی شہر کے اندر آجاتے تھے-

ایک اور مجلس میں سلطان جی نے فرمایا کہ ملتان اور اجودھن کے درمیان بھی راستہ پرخطر تھا[٦٧]- ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ھے کہ دیہاتوں میں مسلمان عاملوں کا عمل دخل نہ تھا- ہندو ڈاکو پورے ملک میں دندناتے

پھرتے تھے حتی کہ غروب آفتاب سے قبل ہی دہلی کے دروازے بند کرنے پڑتے تھے- اس سے مسلمان حکمرانوں کی بے بسی اور کمزوری بھی مترشح ہوتی ہے-

معاشی حالت

مسلمان حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اس کے باوجود ان کی مالی حالت بڑی پتلی تھی- اکثر بزرگوں کے حالات میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ ان کے گھروں میں فاقوں کی نوبت آجاتی تھی- سلطان جی کے لڑکپن میں ان کے گھر میں فاقے ہوتے تھے- بابا فرید الدین کے مرید شام کے وقت اجودھن میں زنبیل گھماتے تھے اور لوگ اس میں روٹیوں کے بچے کھچے ٹکڑے ڈال دیتے تھے جس سے درویشوں کی گذر بسر ہوتی تھی- بعض لوگ اپنے کپڑے فروخت کرکے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے مجبور تھے- سرکاری ملازمین اور فوجیوں کو بروقت تنخواہ نہ ملتی تھی- ایک روز امیر حسن علاء سجزی سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوئے- اس دن وہ بڑے پریشان حال تھے- سلطان جی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ تنخواہ نہیں ملی[۶۸]- غربت کا یہ عالم تھا کہ ایک لونڈی پانچ تنکہ میں فروخت ہوتی تھی[۶۹]-

حملہ منگول

سلطان جی فرماتے ہیں کہ جس سال (۱۲۶۵ء) بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے انتقال فرمایا، اسی سال منگولوں نے اس علاقے (ملتان و دیپالپور) پر حملہ کیا[۷۰]- ایک اور موقع پر انھوں نے منگولوں کے ہاتھوں لاہور کی تباہی کا ذکر فرمایا ہے[۷۱]- سلطان جی نے ایک مجلس میں حاضرین کو بتایا کہ بدر الدین غزنوی، غزنی سے لاہور آئے- ان دنوں لاہور آباد تھا- (یعنی اب آباد نہیں ہے، منگولوں کے ہاتھوں تباہ ہوچکا ہے)-کچھ عرصے بعد انھوں نے سفر کا ارادہ کیا- کبھی ان کے دل میں آتا کہ وہ غزنی واپس چلے جائیں اور کبھی

دلی جانے کو جی چاہتا- غزنی میں ان کے والدین، بھائی بہن اور دوسرے اعزاء تھے اور دہلی میں صرف ایک داماد رہتا تھا- انھوں نے غزنی جانے کے لئے قرآن مجید سے فال لی تو عذاب کی آیت نکلی- پھر دہلی جانے کی نیت سے فال لی تو بہشت میں بہنے والی ندیوں کا ذکر آیا- بدرالدین غزنوی لاہور سے دہلی چلے گئے- چند دنوں بعد خبر آئی کہ منگولوں نے غزنی پر حملہ کرکے بہت سے افراد کو قتل کردیا ہے- ان مقتولین میں بدر الدین غزنوی کے متعلقین بھی تھے[۷۲]-

براددو قوم کا عروج

براددو گجرات و کاٹھیاواڑ کے ہندوؤں کی ایک نیچ ذات تھی- سلطان قطب الدین خلجی کا منظور نظر، خسرو خان اسی قوم کا فرد تھا جو نوعمری میں "مسلمان" ہوگیا تھا- اس نمک حرام نے اپنے آقا کو قتل کرکے تخت و تاج پر قبضہ کرلیا- اس کے ہم قوم براددو ہزاروں کی تعداد میں شہر میں داخل ہوگئے اور مسجدوں پر قبضہ کرکے وہاں مورتیاں رکھ دیں- قرآن مجید کی کھلم کھلا بے حرمتی ہونے لگی- اسی زمانے میں سلطان جی کی ایک مجلس میں ان "ملاعین" کی شورش کا ذکر ہوا- امیر حسن علاء سجزی نے آنجناب کو مطلع کیا کہ چاروں اطراف سے تشویشناک خبریں آرہی ہیں[۷۳]-

چشتیہ سلسلے میں چلہ نہیں ہے

سلطان جی نے ایک مجلس میں بابا فرید الدین مسعودؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ انھوں نے زندگی میں صرف ایک بار جرات کی اور وہ یہ کہ انھوں نے اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے چلہ کاٹنے کی اجازت طلب کی- خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سے شہرت ہوتی ہے اور خواجگان چشت میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا[۷۴]-

مختلف درگاہوں میں مجاوروں نے خواجگان چشت کی چلہ گاہیں بنائی ہوئی ہیں- لاہور میں سید علی ہجویریؒ کی درگاہ میں اور ہسپتال

روڈ پر حضرت یعقوب زنجانیؒ کے روضہ مبارک میں خواجہ معین الدین اجمیری کی چلہ گاہیں موجود ہیں (لاہور میں لاہور روڈ پر ضلع کچہری کی حدود میں ٹبہ بابا فرید کے نام سے ایک عمارت موجود ہے جس کے متعلق یہ مشہور کیا گیا ہے کہ یہاں بابا فرید نے چلہ کاٹا تھا)- حضرت معین الدین اجمیری کے مرید اور بابا فرید کے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے اس قول کے مطابق ان چلہ گاہوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟-

چشتیوں کی وسیع القلبی

چشتی سلسلے کے صوفیہ بڑے وسیع القلب تھے- سلطان جی فرماتے ہیں کہ ناگور میں ایک ہندو رہتا تھا- حضرت صوفی حمید الدین سوالی ناگوری نے کئی بار فرمایا کہ وہ "ولی" ہے[۷۵]- سلطان جی نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ اشاعرہ کا مذہب ہے کہ جس مومن کا خاتمہ کفر پر ہوگا وہ کافر ہے اور جس کافر کا خاتمہ ایمان پر ہوگا وہ مومن ہے-

مسند فقر ورثہ نہیں ہے

سلطان جی فرماتے ہیں کہ غزنی میں ایک شیخ طریقت تھے اور ان کے چار بیٹے تھے- ان کا ایک غلام زیرک نامی بڑا نیک اور صالح تھا- جب شیخ کا وقت آخر آیا تو مریدوں نے ان سے پوچھا کہ ان کی مسند پر کون بیٹھے گا؟ شیخ نے کہا "زیرک"- جب زیرک کو اس کا علم ہوا تو اس نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ان کے فرزند اسے ان کا جانشین نہیں ہونے دیں گے- شیخ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس کی مشکل حل کریں گے- شیخ کی وفات کے بعد ان کے فرزندوں نے زیرک سے جھگڑا شروع کیا- وہ شیخ کی قبر پر گیا اور انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا- سلطان جی فرماتے ہیں کہ انہی دنوں منگولوں نے غزنی پر حملہ کیا اور شیخ کے چاروں بیٹے حملہ آوروں کے ہاتھوں قتل ہوگئے- زیرک پوری دلجمعی کے ساتھ مسند پر بیٹھ گیا[۷۶]-

حضرت اخی جمشید راجگیری کے ملفوظات میں بھی اس سے ملتا

جلتا ایک واقعہ موجود ہے- موصوف فرماتے ہیں کہ ایک شیخ کے سات فرزند تھے جو نماز و روزہ کے پابند اور حلم، علم، تواضع اور خلق جیسی صفات سے متصف تھے- ہرچند وہ عبادت میں مصروف رہتے لیکن عشق الٰہی سے خالی تھے- جب شیخ کا وقت آخر آیا تو بیٹوں نے ان سے پوچھا کہ ان کا سجادہ کس فرزند کے حصے میں آئے گا؟ شیخ نے فرمایا "ہم اللہ کی امانت کے امین ہیں- اگر کوئی اس کا اہل نہ ہو اور ہم اسے امانت سونپ دیں تو خیانت کے مرتکب ہوں گے- اس صورت میں ہمارا شمار خدا کے دوستوں میں نہ ہوگا- نیز قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان اللہ لا یحب الخائنین"- شیخ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس شہر میں ایک ہندو غلام ہے جو آبکاری کا کام کرتا ہے- اسے اس کے مالک سے خرید کر ان کے پاس لائیں- موصوف اسے مشرف بہ اسلام کرکے اپنے سجادہ پر بٹھائیں گے- بیٹے اس بات پر سخت ناراض ہوئے تو شیخ نے کہا کہ سجادہ میراث نہیں ہے- اگر کوئی باپ مرتے وقت مال و دولت چھوڑے تو یقیناً بیٹے اس کے وارث ہوتے ہیں لیکن "کار عشق و محبت" میراث نہیں ہوتا[۷۷]-

آداب دسترخوان

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھلانے کے لئے تھال اور لوٹا لایا جاتا تھا- اسے ابوالیاس کہتے تھے یعنی ناامیدی کا باپ، کیونکہ اس کے بعد کھانے کے لئے اور کچھ نہیں لایا جاتا- اسی طرح صوفیوں کے ہاں نمکدان کو ابوالفتح کہتے تھے[۷۸]- اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ درویش کھانا شروع کرنے سے پہلے نمک کی ایک چٹکی منہ میں ڈالتے تھے- حضرت برہان الدین غریب کے ملفوظات احسن الاقوال میں بھی ابو الفتح کا ذکر آیا ہے- وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ دسترخوان کو "بساط رحمت" کہا جاتا تھا[۷۹]- اجودھن میں بابا صاحب کے ابتدائی زمانے میں محمد نامی ایک شخص بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا- انہوں نے اس کے لئے ماحضر منگوایا- وہاں دسترخوان موجود

نہ تھا- اس نے کہا کہ اگر دستر خوان ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا- بابا صاحب نے اپنی انگلی سے زمین پر ایک دائرہ کھینچ کر فرمایا کہ اسے ہی دستر خوان سمجھ لو [۸۰]-

درس اخلاق

سلطان المشائخ نے ایک روز حاضرین سے کہا کہ اگر کوئی شخص ان کے راستے میں کانٹے رکھے اور انتقاماً وہ بھی اس کے راستے میں کانٹے بچھائیں تو پھر دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہوجائیں گے لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں ہے- یہاں نیک و بد کے ساتھ نیک ہی ہونا چاہیئے [۸۱]- حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ ان کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں سننے کی وہ تاب نہیں لا سکتے- یہ سن کر سلطان جی نے فرمایا کہ انہوں نے سب کو معاف کیا، لہذا حاضرین بھی معاف کردیں اور کسی سے دشمنی نہ رکھیں- آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اندرپت کا ایک شخص چھجو ہمیشہ ان کے درپئے آزار رہتا تھا- جب وہ مر گیا تو تیسرے روز حضرت اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کی مغفرت کے لئے دعا کی- آپ نے چھجو کی قبر پر کھڑے ہوکر فرمایا "پروردگارا! جس نے مجھے برا بھلا کہا میں نے اسے معاف کیا- میری وجہ سے اسے عذاب نہ دینا" [۸۲]-

مشائخ کے ہاں طریقہ تعظیم

سلطان جی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے ہاں آئے- شیخ الشیوخ نے اپنا مصلی لپیٹ کر گھٹنے تلے دبا لیا- یہ مشائخ کے نزدیک نہائت اعلی درجے کی تعظیم ہے [۸۳]-

متابعت شیخ

حضرت بابا فرید نے ایک بار دعا مانگی اور فرمایا کہ حاضرین میں کوئی ہے جو اسے یاد رکھے- سلطان جی نے عرض کیا کہ وہ اسے یاد رکھیں

گے- بابا صاحب نے انہیں دعا یاد کرائی اور پھر ان سے سنی- اسی موقع پر بابا صاحب نے اعراب درست کرائے- سلطان جی فرماتے ہیں کہ دوسرے اعراب بھی درست تھے لیکن انھوں نے ان پر بابا صاحب کے اعراب کو ترجیح دی- ایک روز بدر الدین اسحٰق نے ان سے کہا کہ انھوں نے بہت اچھا کیا جو بابا صاحب کے اعراب کے مطابق دعا یاد کی- یہ سن کر سلطان جی نے فرمایا کہ اگر عربی قواعد کا امام سیبویہ بھی آکر کہے کہ جیسے وہ پڑھتے ہیں، اس سے کچھ اور معنی نکلتے ہیں تو موصوف اس کی بات نہ مانیں گے- اس پر بدر الدین اسحق نے کہا کہ جس طرح سلطان جی شیخ کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے[۸۴]-

بیعت زندہ سے کرنی چاہیے

بابا فرید الدین کا سب سے بڑا بیٹا (خواجہ نصیر الدین) دہلی گیا اور وہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس کے پائینتی بیٹھ کر اپنا سر منڈواکر خود کو خواجہ صاحب کا مرید سمجھنے لگا- بابا صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ خواجہ صاحب ان کے مخدوم ہیں لیکن یہ بیعت درست نہیں ہے- مرید ہونے کے لئے شیخ کا ہاتھ تھامنا ضروری ہے[۸۵]-

متقی اور تائب کا فرق

ایک مجلس میں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ دو شخصوں میں تائب اور متقی کے بارے میں بحث چل نکلی- ان میں سے ایک کہتا تھا کہ متقی کو تائب پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی گناہ نہیں کیا- دوسرا کہتا تھا کہ تائب افضل ہے کیونکہ اس نے گناہوں کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد ان سے منہ موڑا ہے- جب دونوں کسی فیصلہ پر نہ پہنچ پائے تو انہیں ایک جولاہا کھڈی پر بیٹھا اپنے کام میں مشغول نظر آیا- انھوں نے اسے حکم بنایا- اس نے کہا کہ وہ تو امیٔ محض ہے- وہ تائب اور متقی کے فرق کو نہیں جانتا- البتہ وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ جو دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے وہ

اسے گانٹھ لگا کر جوڑ دیتا ہے لیکن وہ دھاگہ اس دھاگے جتنا مضبوط نہیں ہوتا جو بغیر جوڑ کے ہوتا ہے[۸۶]- یہ واقعہ علی بن محمود جاندار نے بھی سلطان جی کی زبان مبارک سے درر نظامی میں نقل کیا ہے[۸۷]-

اس زمانے میں ہندوستان میں علم حدیث نہ تھا

سلطان جی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف تین یا چار حدیثوں کی روائت کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس نے دس حدیثوں کی- ابن مسعود کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے صرف ایک حدیث کی روائت کی ہے[۸۸]- معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علماء پر فقہ کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ حدیث کی طرف توجہ ہی نہ دیتے تھے- ملفوظات میں ہمیں یہی ملتا ہے کہ فلاں عالم قدوری پڑھا رہے تھے اور فلاں بزرگ بزدوی کا درس دے رہے تھے- کہیں درس حدیث کا ذکر نہیں ملتا- حسن بن مسعود کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا ہے کہ انہوں نے صرف ایک حدیث کی روایت کی ہے، وہ ۸٤۸ حدیثوں کے راوی ہیں[۸۹] اور انہی روایات کے سہارے فقہ حنفی کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے- ابن عباس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ صرف دس حدیثوں کے راوی تھے- ان کا شمار کثیر الروایات صحابہ میں ہوتا ہے اور ان سے ۲٦٦۰ حدیثیں مروی ہیں[۹۰]-

ہندوؤں کی سخت دلی

ایک روز ایک مسلمان غلام اپنے ہندو بھائی کو ساتھ لے کر سلطانؒ جی کی خدمت میں حاضر ہوا- انہوں نے اس سے پوچھا کہ اس کا بھائی اسلام کی طرف کچھ رغبت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کیا کہ وہ اسی نیت سے اسے یہاں لایا ہے کہ شاید جناب کی توجہ سے وہ مسلمان ہوجائے- حضرت نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ اس قوم پر کسی کے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوتا- ہاں! اگر وہ کسی صالح مرد کی صحبت میں بیٹھتا رہے تو شاید مسلمان ہوجائے[۹۱]-

فوائد الفواد میں لاہور کا ذکر

سلطان المشائخ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ لاہور میں بہت سے بزرگ محو خواب ابدی ہیں[۹۲]- ایک بار آپ نے امیر حسن علاء سجزی کی موجودگی میں فرمایا کہ بدایوں میں شادی مقری نام کے ایک قاری رہتے تھے اور ان کا استاد خواجگی مقری لاہور میں قیام پذیر تھا- ایک بار لاہور سے ایک مسافر بدایوں آیا تو شادی مقری نے اس سے لاہور کے بارے میں پوچھا- اس نےبتایا کہ پہلے وہاں طوفانی بارش ہوئی جس سے بہت سے گھر تباہ ہوگئے- اس کے بعد آگ بھڑک اٹھی جس سے بڑا نقصان ہوا- یہ سن کر شادی مقری نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کا آقا زندہ نہیں ہے- مسافر نے کہا کہ ہاں اس کا انتقال ہوچکا ہے[۹۳]- **فوائد الفواد** واحد کتاب ہے جس میں خواجگی مقری کا نام آیا ہے- اگر سلطان جی اس کا ذکر نہ کرتے تو آج ہم یہ بھی نہ جانتے کہ لاہور میں کبھی اتنے اونچے پایہ کا قاری موجود تھا-

سلطان جی نے ایک مجلس میں فرمایا کہ لاہور کے چند تاجر سامان تجارت لے کر گجرات کاٹھیاواڑ گئے- وہاں ان دنوں ہندوؤں کا عمل دخل تھا- ہندو سوداگروں نے ان کا سامان خریدنے پر آمادگی ظاہر کی تو لاہوریوں نے دوگنی قیمت بتائی اور پھر بھاؤ تاؤ کرکے اس سے نصف قیمت پر مال بیچنے پر رضامند ہوگئے- جب ہندو تاجروں نے یہ معاملہ دیکھا تو ان سے پوچھا کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لاہور سے آئے ہیں- ہندوؤں نے ان سے پوچھا کہ ان کے شہر میں تاجر ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں کہ قیمت کچھ اور بتاتے ہیں اور پھر مال کسی اور نرخ پر فروخت کرتے ہیں؟ لاہوریوں نے اثبات میں جواب دیا تو ہندوؤں نے ان سے کہا کہ جس شہر میں ایسا معاملہ ہو وہ تو آباد نہیں رہ سکتا- سلطان جی فرماتے ہیں کہ جب وہ تاجر لاہور واپس پہنچے تو منگول شہر کو تباہ کرچکے تھے[۹۴]-

منگولوں نے ۲۷ اپریل ۱۲٤٦ء کو لاہور فتح کیا اور اسی روز حضرت

پیر زکی اور حضرت پیر صلاح الدین ابو المجاہد المعروف بہ پیر بلخی شہید ہوئے تھے- پیر بلخی کے مزار مبارک کے کتبہ (لاہور عجائب گھر) پر ان کا یوم شہادت ۹ ذی الحجہ ٦٤٣ھ کندہ ہے[۹۵]-

دہلی کے بارے میں چند نادر معلومات

فوائد الفواد میں دہلی کے ایک بازار کا ذکر آیا ہے، جو کرپاسی بازار کے نام سے موسوم تھا[۹٦]- نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا- اس زمانے میں دہلی میں ایک مدرسہ تھا جو مدرسہ معزی کہلاتا تھا- وہاں مولانا زین الدین نام کے ایک بزرگ رہتے تھے جو عالمانہ گفتگو فرماتے تھے، حالانکہ وہ امیّ محض تھے[۹۷]- دہلی میں ملک عزیز الدین بختیار نے ایک مسجد بنوائی تھی اور اس کے بالمقابل حمام تعمیر کیا تھا[۹۸]- ٦ ذی الحجہ ۷۱۷ھ/۸ فروری ۱۳۱۸ء کو ایک شخص سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوا- آپ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ "دارالخلافت" سے آرہا ہے- امیر حسن علاء سجزی نے وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ اس چھاؤنی سے آیا ہے جو "سیری" میں ہے اور اسے اب دارالخلافت کہنے لگے ہیں[۹۹]- یہ سلطان قطب الدین مبارک خلجی کا دور حکومت تھا- اس نے اپنے نام کے ساتھ الامام الاعظم خلیفہ رب العالمین اور خلیفۃ اللہ جیسے القاب لکھوانے شروع کئے تھے[۱۰۰]- اس لئے خلیفۃ اللہ کے دارالسلطنت کو "دارالخلافت" ہی کہنا چاہیے- حضرت امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر میں دہلی کو دارالخلافت ہی لکھا ہے:[۱۰۱]

مگر گفت بغداد باہر کہ آید
کہ دارالخلافہ بہ دہلی نشاید

فوائد الفواد میں حوض رانی سے قریب باغ جسرت کا ذکر آیا ہے- ابتدائی زمانے میں سلطان جی نے وہاں دعا کی تھی کہ جہاں خدا کی مرضی ہو، انہیں بھیج دے- یہیں انہوں نے ہاتف غیبی سے غیاث پور کا نام سنا،

حالانکہ اس وقت تک موصوف اس نام سے بھی آگاہ نہ تھے[۱۰۲]-

خضر آباد دہلی کی ایک قدیم بستی ہے- طہماس خان نے اس کا ذکر گمٹی خضر آباد کے نام سے کیا ہے[۱۰۳]- مرزا سنگین بیگ جیسے مؤرخوں کا خیال ہے کہ یہ بستی خضر خان بانیٔ خاندان سادات نے بسائی تھی[۱۰۴]- اس خیال کی تردید **فوائد الفواد** سے ہوتی ہے- امیر حسن علاء سجزی خضر آباد کی چھاؤنی میں رہتے تھے[۱۰۵]- اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خضر آباد، سلطان علاء الدین خلجی کے ولی عہد خضر خان نے آباد کیا تھا- یہ وہی شہزادہ ہے جس کا ذکر امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی "**دول رانی خضر خان**" میں کیا ہے-

بدایوں کی علمی اور روحانی فضاء

مولانا سراج الدین ترمذی، مولانا علاء الدین اصولی، قاضی جمال الدین ملتانی، خواجہ شادی مقری بدایوں میں مدفون تھے- امیر حسن علاء سجزی نے سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ بدایوں گیا تھا اور اس نے ان بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کی اور جو راحت اس نے وہاں پائی، ویسی اور کہیں نہیں ملی[۱۰۶]- سلطان المشائخ کے جد امجد، نانا بزرگوار اور والد محترم بدایوں ہی میں محوِ خوابِ ابدی ہیں- اسی لئے اس شہر کو "مدینۃ الاولیاء" کہتے ہیں- ایک مجلس میں سلطان المشائخ نے نام لئے بغیر بدایوں کے ایک سید کا ذکر کیا جو وجیہہ و شکیل، صالح اور عالم متبحر تھا- جو شخص اسے دیکھتا، وہ کہتا کہ یہ واقعی سید ہے- سلطان المشائخ نے بھی اسے دیکھا تھا- موصوف فرماتے ہیں کہ بدایوں میں اس کے بہت شاگرد تھے[۱۰۷]-

شمس الدین التمش بدایوں میں گورنر کے فرائض انجام دے چکا تھا- اس نے وہاں مسجد بنوائی جو شمسی مسجد کے نام سے مشہور ہے- بدایوں میں ہی التمش نے سلطان تاج الدین یلدوز کو قید میں رکھا تھا- اس کا انتقال وہیں ہوا اور شمسی مسجد کی دیوار کے ساتھ اس کی قبر تاحال موجود

ھے[۱۰۸]-

سلطان المشائخ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ بدایوں کا کوتوال عزیز درویشوں کا خدمتگذار اور شیخ ضیاء الدین بدایونی کا مرید تھا- وہ عین عالم جوانی میں بدایوں میں شہید ہوا[۱۰۹]-

مولانا رضی الدین حسن صغانی، صاحب مشارق الانوار بدایوں میں رہتے تھے- پھر انھوں نے کول (علی گڑھ) میں سکونت اختیار کرلی[۱۱۰]-

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ بدایوں میں عزیز بشیر نامی ایک درویش رہتا تھا- وہ بدایوں سے اس ارادے سے دہلی گیا کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند مولانا ناصح الدین سے خرقہ حاصل کرے- مؤخر الذکر بزرگ نے حوض سلطان کے کنارے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں اسے خرقہ عطا کرنا تھا- اتفاق سے اس کی زبان سے یہ نکل گیا کہ اس حوض کی کیا حقیقت ھے- بدایوں میں اس سے بھی بڑا حوض ھے- یہ بات ایک صاحب دل بزرگ محمد کبیر نے بھی سن لی- انھوں نے مولانا ناصح الدین سے کہا کہ وہ عزیز بشیر کو خرقہ نہ دیں، وہ بیہودہ گو ھے[۱۱۱]-

قاضی کمال الدین جعفری بدایوں میں متعین تھے- امور قضاء میں مشغولیت کے باوجود وہ قرآن حکیم کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے- جب وہ بوڑھے ہوگئے اور ان کی قوت جواب دے گئی تو وہ "مسبعات عشر" کی تلاوت پر ہی اکتفا کرنے لگے- کسی نے اس کی بابت پوچھا تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ "مسبعات عشر" جامع اوراد ہیں[۱۱۲]-

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ احمد نامی بزرگ نہائت ہی صالح اور ابدال صفت انسان تھا- وہ اگرچہ پڑھا لکھا نہ تھا، پھر بھی سارا دن احکام شریعت اور مسائل کی تحقیق میں لگا رہتا تھا[۱۱۳]- جب سلطان المشائخ نے بدایوں کی بجائے دہلی میں سکونت اختیار کی تو احمد بھی دہلی چلا آیا-

اس زمانے میں بدایوں میں سبعہ کا قاری شادی مقری بڑا نیک اور

صالح تھا- اس کی یہ کرامت تھی کہ جو شخص اس سے قرآن مجید کا ایک ورق پڑھ لیتا، اسے اللہ کے فضل و کرم سے پورا قرآن مجید حفظ ہوجاتا تھا[۱۱۴]-

اسی زمانے میں مولانا علاالدین بدایوں میں رہتے تھے- وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے فیض یافتہ تھے- ان کا شمار اس عہد کے عالموں اور دانشمندوں میں ہوتا تھا- سلطان المشائخ نے ہدایہ کے ایک نسخے کا مقابلہ ان کے نسخے کے ساتھ کیا تھا[۱۱۵]-

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ملک یار نام کے ایک بزرگ بدایوں کی ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے- ان کا ظاہری علم تو اتنا نہ تھا لیکن اللہ تعالی نے انہیں "خاص علم" سے نوازا تھا- ایک بار لوگوں نے ان کے امام بننے پر اعتراض کیا تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ اگر انہیں بغداد کی جامع مسجد کا امام مقرر کیا جائے تو بھی ان کے مرتبے سے کم ہے[۱۱۶]-

خواجہ ابوبکر موئے تاب بدایوں میں رہتے تھے- وہ ایک رات بیدار ہوئے، وضو کیا، دو نفل ادا کئے اور جاں بحق تسلیم ہوگئے- یہ واقعہ بیان کرکے سلطان المشائخ نے فرمایا کہ لوگ جیسے جیتے ہیں ویسے ہی مرتے ہیں[۱۱۷]-

خواجہ شاہی موئے تاب بھی بدایوں میں رہتے تھے- قاضی حمید الدین ناگوری انہیں "شاہی روشن ضمیر" کہا کرتے تھے- ان کا رنگ سیاہ تھا[۱۱۸]-

سلطان المشائخ سے روایت ہے کہ بدایوں میں مسعود نخاسی نامی ایک درویش رہتا تھا- وہ کہا کرتا تھا کہ خواجہ شاہی موئے تاب نے اپنا "حمام" خوب گرم کیا ہوا ہے- یہ اسی میں جل مرے گا- اس بزرگ کی پیشینگوئی درست ثابت ہوئی اور وہ جوانی ہی میں فوت ہوگئے[۱۱۹]-

سلطان جی فرماتے ہیں کہ خواجہ عزیز کرک نامی ایک بزرگ بدایوں میں مدفون ہیں- ابتدائے حال میں وہ جوہری تھے، پھر انہوں نے درویشی

اختیار کرلی۔[۱۲۰]

سلطان المشائخ کے مرید خاص حافظ سراج الدین نے بدایوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کے نفسہائے معطر نے تادیر بدایوں کے ماحول کو معطر کئے رکھا![۱۲۱]

یہ تھی بدایوں کی وہ علمی اور روحانی فضاء جس میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور اس ماحول نے ان کی سیرت سازی اور مستقبل بنانے میں خاص کردار ادا کیا۔

حوالہ جات

۱- بعض تذکروں میں شمسا کی جگہ "صدرا" لکھا ہوا ہے۔
۲- فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیا، مرتبہ امیر حسن علاء سجزی، لاہور : ۱۹٦٦ء، ص ۳۵۸ -
۳- ایضاً، ص ۳۵۹-
٤- ایضاً-
۵- ایضاً، ص ۳۵۷-
٦- ایضاً-
۷- ایضاً، ص ۲۰۵-
۸- ایضاً، ص ٤۰۱-
۹- ایضاً، ص ۲٦۵-
۱۰- K.A. Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-ud-din Gang-i-Shakar*, Aligarh, 1955, p. 59.
۱۱- سید محمد کرمانی، سیر الاولیاء، دهلی : ۱۳۰۲ھ، ص ۱۹۱_
۱۲- فوائد الفواد، ص ٤۱٦-
۱۳- ایضاً، ص ۳٦ - "آن زن مرد یست که او را در صورت زنان فرستاده اند-"
۱٤- ایضاً، ص ۳۵ -
۱۵- ایضاً، ص ۳۹۳ -
۱٦- ایضاً، ص ۱۷۱ -
۱۷- ایضاً، ص ۵۰ -
۱۸- ایضاً، ص ۱۷۱ -
۱۹- ایضاً، ص ٦-۲۵۵ -
۲۰- ایضاً، ص ۱۲۸ -
۲۱- ایضاً، ص ۳٦۵ -
۲۲- ایضاً، ص ۱۷۱ - " از خواجگان ما و مشائخ ما هیچ کس ازیں بابت نکرده است -"
۲۳- ایضاً، ص ۲٤۵ -
۲٤- ایضاً، ص ۵٦ - "هر نعمتی که در بشر ممکن است شیخ شهاب الدین دادند الا ذوق سماع -"
۲۵- ایضاً، ص ۷۲ -
۲٦- ایضاً، ص ۲۵۳ -
۲۷- ایضاً، ص ۱۵ -
۲۸- ایضاً، ص ۱۵ -
۲۹- ایضاً، ص ۱۸۵ -
۳۰- ایضاً، ص ۲۰٦ -

۳۱- ایضاً، ص ۴۲۹ - ۳۲- ایضاً، ص ۴۰۷ -
۳۳- ایضاً، ص ۳۳۵ - منہاج الدین سراج ، طبقات ناصری ، ص ص ۱-۱۹۰-
۳۴- ایضاً، ص ۳۳۵ -
۳۵- خلیق احمد نظامی ، سلاطین دھلی کے مذھبی رجحانات، دھلی: ۱۹۵۸ء، ص۱۳۸-
۳۶- فوائد الفواد ، ص ۳۳۵-
۳۷- ایضاً ص ۵۸ - "هر بیتی که از آن ماست برابر کتابست -"
۳۸- ایضاً- ۳۹- ایضاً، ص ۵۳ -
۴۰- ایضاً، ص ۱۸۷ -
۴۱- ایضاً، ص ۱۱۶ - بعض کتابوں میں راقم نے صدرا کی جگه شمسا بھی لکھا دیکھا ھے-
۴۲- شیخ محمد اکرام ، آب کوثر ، لاھور: ۱۹۵۲ء ، ص ۳۳۷ -
۴۳- سید صباح الدین عبدالرحمن، بزم صوفیه، کراچی : ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۳-
۴۴- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاھور : ۱۹۵۲ء ، ص ۳۳۷-
۴۵- فوائد الفواد ، ص ۱۹۶ -
۴۶- عبدالحق محدث، اخبار الاخیار ، دھلی: ۱۳۳۴ھ ، ص ۴۴ -
۴۷- فوائد الفواد ، ص ۵۷-
۴۸- نثار احمد فاروقی ، نقد ملفوظات ، لاھور : ۱۹۸۹ء ، ص ۲۱۰-
۴۹- شیخ محمد اکرام، آب کوثر ، لاھور: ۱۹۵۲ء ، ص ۹۶ -
۵۰- شیخ جمالی ، سیر العارفین ، لاھور : ۱۹۸۹ء ، ص ۱۳-
۵۱- محمد صالح ، شاهجهان نامه، لاھور : ۱۹۵۸ء ، ج ۱ ، ص ۵۰ -
۵۲- دارا شکوه ، سفینة الاولیاء (اردو ترجمه) ، کراچی: ۱۹۶۱ء ، ص ۱۲۸-
۵۳- مفتی غلام سرور ، خزینة الاصفیاء ، کانپور : ۱۹۱۴ء ، ج ۲ ، ص ۲۵۱ -
۵۴- سید علی هجویری ، کشف المحجوب ، (ترجمه) مولانا ابوالحسنات ، لاھور، ۱۳۹۳ھ ، ص ۳۲۵-
۵۵- فوائد الفواد ، ص ۳۰۱ - ۵۶- ایضاً، ص ۷۲ -
۵۷- علامه اخلاق حسین ، آئینه ملفوظات ، دھلی ۱۹۸۳ء ، ص ۸۸ -
۵۸- عبدالحق محدث ، اخبار الاخیار ، دھلی ۱۳۳۲ ھ ، ص ۱۲۹ -
۵۹- فوائد الفواد ، ص ۷۷ - ۶۰ - ایضاً، ص ۱۱۴ -
۶۱- ایضاً، ص ۱۲۹ - ۶۲- ایضاً، ص ۳۲۰ -
۶۳- ایضاً، ص ۲۱۰ - ۶۴- ایضاً، ص ۲۲۷ -
۶۵- ایضاً، ص ۱۶ -
۶۶- محمد اکبر حسینی ، جوامع الکلم ، کانپور : ۱۳۵۶ھ ، ص ۲۴۹-
۶۷- فوائد الفواد ، ص ۲۳۵ - ۶۸- ایضاً، ص ۹۲ -
۶۹- ایضاً، ص ۳۳۹ - ۷۰- ایضاً، ص ۳۷۴ -

۷۱- ایضاً، ص ۲۰۲ - ۷۲- ایضاً، ص ۱۲٤ -
۷۳- ایضاً، ص ۳۷۳ -
۷٤- ایضاً، ص ٤۲ - " فرمود که حاجت نیست ازین شهرت حاصل آید- از خواجگان ماهم چنین نیامده است -"
۷۵- ایضاً، ص ۱۱۸ - "هندوی را به کرات گفتی که این ولی خداست -"
۷٦- ایضاً، ص ۵ -
۷۷- یحیی ابن علی اصغر ، ملفوظات اخی جمشید راجگیری، مخطوطه مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ ، یونیورسٹی کلکشن نمبر ٤/٦٦ فارسیه مذهب ، ورق ۵۹ ب -
۷۸ - فوائد الفواد ، ص ۳٤۷ -
۷۹ - حماد بن عماد کاشانی ، احسن الاقوال، مخطوطه مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ ، یونیورسٹی کلکشن نمبر فارسیه مذهب تصوف ۳۱۸ ، ورق ۱۹ الف -
۸۰- فوائد الفواد ، ص ۹۲ - ۸۱- ایضاً، ص ۱٤۸ -
۸۲- ایضاً، ص ۱٦٤ - ۸۳- ایضاً، ص ۵٦ -
۸٤- ایضاً، ص ٤٤ - ۸۵- ایضاً، ص ۱۳۲ -
۸٦- ایضاً، ص ۳۵۵ -
۸۷- علی بن محمود جاندار، درر نظامی، مخطوطه سر سالار ونگ میوزیم حیدر آباد نمبر ۲٦۰/۵۹۹/٦۱ ، ورق ۱۵ الف-
۸۸- فوائد الفواد ، ص ۱۹۸ -
۸۹- ڈاکٹر حنیفه رضی ، عبدالله بن مسعود اور انکی فقه ، لاهور : ۱۹۷۱ء ، ص ۱۳۱ -
۹۰- اردو دائرہ معارف اسلامیه ، لاهور : ۱۹۷۳ء ، ج ۱۲ ، ص ۷۹۱ -
۹۱ - فوائد الفواد ، ص ۳۰۵ -
۹۲ - ایضاً، ص ۵۷ -"بسیار بزرگان آنجا خفته اند -"
۹۳ - ایضاً، ص ۲٦۲ - ۹٤- ایضاً، ص ۲۰۱ -
۹۵- محمد اسلم ، خفتگان خاک لاهور ، لاهور : ۱۹۹۳ء ، ص ۵۰۱ -
۹٦- فوائد الفواد ، ص ۱۱۲ - ۹۷- ایضاً، ص ۳۷ -
۹۸- ایضاً، ص ۲۵٦ - ۹۹- ایضاً، ص ۳۱۱ -
۱۰۰- خلیق احمد نظامی، سلاطین دهلی کے مذهبی رجحانات، دهلی : ۱۹۵۸ء ، ص ۲۸۸ -
۱۰۱- امیر خسرو ، مثنوی نه سپهر ، کلکته : ۱۹٤۸ء ، ص ۷۷ -
۱۰۲- فوائد الفواد ، ص ۲٤۲ -
۱۰۳- طهماس خان ، طهماس نامه ، لاهور : ۱۹۸٦ء ، ص ۲۹۳ -
۱۰٤- مرزا سنگین بیگ ، سیر المنازل ، دهلی : ۱۹۸٤ء ، ص ٦/۷ -
۱۰۵- فوائد الفواد ، ص ۲٤-
۱۰٦- ایضاً، ص ۳۵۱ - ۱۰۷- ایضاً، ص ٤۱٤ -

۱۰۸- قاری بشیر الدین پنڈت، تاریخ ھندی قرون وسطی، علی گڑھ، ۱۹۴۹ء، ص ۲۳۰ -
۱۰۹- فوائد الفواد ، ص ۲۹۲-
۱۱۰- ایضاً، ص ۱۷۹ -
۱۱۱- ایضاً، ص ۲۹۰ -
۱۱۲- ایضاً، ص ۳۸۱ -
۱۱۳- ایضاً ، ص ۷۹-
۱۱٤- ایضاً، ص ۲٦۲ -
۱۱۵- ایضاً، ص ۲۷۸ -
۱۱٦- ایضاً، ص ۲۸۰ -
۱۱۷- ایضاً، ص ۲۸۹ -
۱۱۸- ایضاً -
۱۱۹- ایضاً، ص ۲۹۱ -
۱۲۰- ایضاً، ص ۳٦۲ -
۱۲۱- ایضاً، ص ۲۸۹ -